سوال نمبر2 (الف)۔۱ بیماری کی وجہ

باپ کو نمونیا ہوگیا تھا اور اس کی وجہ تھی کہ جاڑے کے موسم میں وہ ایک رات اپنے گرم گرم لحاف سے نکلا تھا اور ٹھنڈی تیز ہوا اس کے سینے میں لگی تھی۔

سوال نمبر2 (الف)۔۲ گھر والوں کا سلوک

گھر والوں کا سلوک اس کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ انھوں نے اس کا بہت خیال رکھا۔ بیٹوں نے کئی طرح کے علاج کرائے۔ بیوی اور بہو دن رات اس کی پٹی کرتی ہیں کہ بخار کم ہو غرض ہر کسی نے اپنی اپنی طرح اس کا بہت خیال رکھا۔

سوال نمبر2 (الف)۔۳ کتبہ

بڑا بیٹا مکان کی صفائی کر رہا تھا۔ ہر چیز کو چھان رہا تھا۔ سب چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ تب ہی اس کو بوری میں سے ایک کتبہ ملا۔

سوال نمبر2(الف)۔۴ **بیٹے کی کیفیت**

کتبے کو دیکھتے ہی بیٹے کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اسے اپنے باپ کی یاد
آنے لگی اور وہ ایک ٹکٹکی میں کتبے کے نقش و نگار دیکھتا رہا۔ یہ سب اس
لیے کہ اسے باپ سے بہت محبت تھی۔

سوال نمبر2(الف)۔۵ **چمک کی وجہ**

بیٹے نے کتبے کو دیکھا تو محبت کی وجہ سے آنکھیں نم ہو گئیں اور اچانک اسے کچھ
سوجھا جس نے اس کی آنکھوں میں چمک پیدا کی۔ اسے یہ سوجھا کہ وہ کتبے میں
کچھ ترمیم کرا کے اسے باپ کی قبر پر نصب کر دے اس لیے وہ اگلے روز سنگ تراش کے
پاس گیا اور ایسا ہی کیا۔

سوال نمبر2(الف)۔٦ **ترمیم**

میرے خیال سے بیٹے نے کتبے میں تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات اور
اس کے ساتھ خاندان کا نام وغیرہ لکھوایا ہوگا۔

سوال نمبر2(الف)۔۷

تلخیص

پنشن وصول کرتے تین سال گزر گئے تو اسے ٹھونا ہو گیا۔ گھر والوں نے کئی طرح کے علاج کرائے اور خیال رکھا لیکن افاقہ نہ ہوا اور چار دن بعد وہ چل بسا۔ مکان کی صفائی کے وقت بیٹے کو اس کا کتبہ ملا۔ جسے دیکھ کر وہ افسردہ ہوا اور اگلے روز اس میں کچھ ترمیم کرا کے باپ کی قبر پر نصب کر دیا۔

سوال نمبر2(ب)۔۱

اہل وطن کا فخر

اہل وطن کو **اپنے بہادران، اپنے سپاہیوں کی تیز دھار تلوار** پر فخر ہے جو ہر وقت وطن کی حفاظت کے لیے تیار ہے اور دشمن کو شکست دینے کے لیے اٹھتی ہے۔ اسی طرح سے سپاہی لڑتے ہیں اور وطن کی حفاظت کرتے ہیں اس لیے یہ ہمارا فخر ہے۔

سوال نمبر2(ب)۔۲

عروج و زوال

وطن کے عروج و زوال کا انحصار **اس کے سپاہیوں اور بہادروں پر** ہے، وہ بہادر جو ہر وقت وطن کی حفاظت اور نام کے لیے اپنا تن من دھن قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ اگر یہ اپنا فرض انجام دیں، تو وطن ترقی کی راہوں پر گامزن ہوگا ورنہ وہ زوال پزیر ہو جائے گا۔

سوال نمبر 2 (ب)۔۳

جذبہ

مسلح افواج کا **جذبہ عشق** انھیں حرکت و عمل پر آمادہ کرتا ہے۔ وطن کے لیے ان کے دل میں محبت ہی ہے جو انھیں دشمن کے سامنے کھڑا ہونے اور انھیں شکست دینے میں ہمت دیتی ہے۔ اس جذبے کے بغیر کوئی فوجی فوجی کہلانے کا حقدار نہیں۔

سوال نمبر 2 (ب)۔۴

مرکزی خیال

شاعر کہتے ہیں کہ اہل وطن کو اپنے بہادروں کی تیز دھار تلوار پر فخر ہے جو دشمنوں کے خلاف نکل آتی ہے۔ انھیں بہادروں کی قوت اور جواں مردی پر وطن کے عروج و زوال کا انحصار ہے۔ یہی ہیں وہ جن کے دل میں وطن کی بے تحاشہ محبت موجود ہے۔ شاعر ان سے مخاطب ہو کر انھیں آگے بڑھتے رہنے کا پیغام دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اے بہادر تیغ زن بڑھتے چلے جاؤ؛ تم تو دشمن کی صفیں الٹنے والے ہو، وطن کے لیے اپنے فرائض انجام دیتے رہو۔

سوال نمبر 2 (ج)۔۱

عشق کا تقاضا

اس شعر کے مطابق عشق کا تقاضا یہ ہے کہ عاشق بھری محفل میں خاموش رہے، آہ و فریاد نہ کرے کیونکہ یہی ادب کا پہلا قرینہ ہے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو محبوب کی رسوائی کا باعث بنے گا اور یہ عشق کے تقاضوں کے منافی ہے۔

07

متعلقہ سوال کا جواب صرف مختص کردہ جگہ پر اور بیرونی نشان کے اندر دیا جائے۔

22447494

سوال نمبر 2(ج)۔۲ **دل نہ لگنا**

شاعر کا بھری دنیا میں جی اس لیے نہیں لگتا کہ اس کو کسی چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے مگر وہ نہیں جانتا کہ وہ چیز کیا ہے جس کی وجہ سے اس دل میں ایک کسک ہے اور وہ دنیا سے اکتایا ہوا ہے۔ شاید یہ محبوب کی بے رخی ہے کہ پوری بھری دنیا میں بھی اس کا جی نہیں لگتا۔

سوال نمبر 2(ج)۔۳ **حیرت نہیں**

شاعر کو کسی بات پر حیرت اس لیے نہیں کہ جو کچھ ہو رہا تھا وہ اسی طرح ہونا تھا۔ وہ پہلے سے جان گیا تھا کہ یہ سب ہونا ہے یا پھر وہ مان گیا ہے کہ تقدیر کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا اس لیے جو ہو رہا ہے وہ اس پر حیران نہیں کہ ایسا تو ہونا ہی تھا۔

سوال نمبر 2(د)۔۱ **صنعتِ تفریق**

تعریف:

"جب شاعر کلام میں ایسے الفاظ استعمال کرے جو آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہوں۔"

مثال: ؎ آغاز کو کون پوچھتا ہے

سوال نمبر2(د)۔۲

امدادی افعال

الف۔ دو (دینا)

ب۔ اٹھا (اٹھنا)

ج۔ لیا (لینا)

سوال نمبر2(د)۔۳

قافیہ: رسائی، جدائی، خدائی

ردیف: کا

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 1/4)

(الف)

نثر پارے کی تشریح

تشریح:

دوستوں کا ہونا انسان کی زندگی میں بہت ضروری ہے۔ دوست ہمارے دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے ہیں، مشکل وقت میں ہماری مدد کو آتے ہیں۔ دوستوں کے بغیر زندگی میں زیادہ لطف باقی نہیں رہتا۔ وہی تو ہیں جن سے ہم اپنے دل کے تمام حال بیان کرتے ہیں، وہی تو ہمارے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں اور بغیر کسی غرض کے ہم سے محبت کرتے ہیں۔ ایسے ہی دو دوست تھے اختر اور منظور۔ اگرچہ وہ کسی خوشگوار حالات میں نہ ملے تھے لیکن آہستہ آہستہ وہ بہت اچھے دوست بن گئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی دوستی گہری ہوتی چلی گئی۔ اب وہ بہت اچھے رفیق تھے۔ اس دوستی کے پیچھے بھی ایک قصہ ہے۔

اختر کے لیے منظور کی ذات ایک مسیحا کی سی تھی۔

وہ منظور کی بہت قدر کرتا تھا۔ ~~اس~~ وہ نے جیسے مشکل وقت میں اس کے ساتھ کھڑا رہا اور اس کی ڈھارس بندھائی وہ اختر کے لیے بہت قیمتی تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اسے دوبارہ نئی زندگی بخشی۔ جب وہ بالکل امید ہار گیا تھا تب منظور اس کو دوبارہ زندگی کی طرف لایا تھا۔ جب وہ سب کچھ ہار چکا تھا، مایوسی کی بلند سطح کو چھو رہا تھا تب منظور اس کے ساتھ کھڑا ہوا۔ اس میں امید اور زندگی کی لہر کو دوڑایا۔ اس کے دل و دماغ پر جو سیاہ بادل تھے چھائے ہوئے تھے اسے منظور نے ہی ہٹایا۔ سیاہ بادل عام طور پر

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 2/4) سوچ تمام گھٹاؤں کو ہٹا دیا۔ اب وہ بھی کوئی زندگی سے
نکل کر کھلی فضا میں سانس لینے کا ڈھنگ جان گیا تھا۔ اس کی
قنوطیت رجائیت میں بدل گئی۔ وہ زندگی کو نئے انداز میں دیکھنے لگا۔
اب وہ زندگی کے منفی نہیں بلکہ مثبت پہلو دیکھنے لگا۔ پہلے جہاں وہ
مرنے کا خواہش مند تھا، اپنی زندگی سے تنگ موت کی دعا کرتا تھا اب
اسے زندگی سے محبت ہو گئی۔ زندگی اسے دلچسپ لگنے لگی اور وہ دوبارہ
زندگی جینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ ٹھیک ہو کر ہسپتال سے
نکلے اور پھر ایک نئی زندگی کا آغاز کرے۔ ایک صحت مند خوشی بھری
زندگی گزارے۔

اس میں شاعر نے کئی خیال پیش کیے ہیں سب سے پہلے تو یہ کہ
زندگی میں مشکل حالات تو آتے رہتے ہیں زندگی صرف خوشی کا نام نہیں اس میں
غم بھی آتے ہیں لیکن ~~ہمیں~~ ہمیں ان غموں سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اُمید
کا دامن رکھنا چاہیے اور اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ سب ٹھیک ہو جائے
گا۔ یہ مشکلات تو ہمیں مضبوط بناتی ہیں

؎ حوادث کے تھپیڑوں سے الجھ کر
سنورتا اور نکھرتا آ رہا ہوں

اس کے علاوہ ایسے حالات میں ایک دوست کا ہونا بہت ہمت دیتا ہے۔
سچا دوست وہی ہے جو مشکل میں ساتھ دے، کچھ نہیں تو تسلی دے۔
زندگی کو جینے کی اُمید دے۔ جیسے منظور نے اختر کو دی۔

سوال نمبر3 (صفحہ نمبر 3/4) مایوسی کے حالات میں ہمیں اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے
اور اس کو یاد کرنا چاہیے، کیونکہ

"اللہ کے ذکر میں دلوں کا سکون ہے۔"

مسلمان کے لیے مایوسی ایک گناہ ہے۔ اس لیے اسے ہمیشہ پُرامید رہنا چاہیے کہ
دعائیں تقدیر بدل دیتی ہیں۔

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 4/4)

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 1/4)

(ب)

تشریح:

یہ بند 'جوش ملیح آبادی' کی نظم 'مناظرِ سحر' سے لیا گیا۔ جوش ملیح آبادی کی شاعری میں منظر کشی خوب ملتی ہے۔ اس نظم میں بھی وہ بڑے خوبصورت انداز میں صبح کا منظر بیان کرتے ہیں۔

اس بند میں شاعر کہتے ہیں صبح کے وقت جب کلیاں چٹکتی ہیں اور پھول کھلتے ہیں تو پورا ماحول ان کی خوشبو سے مہک جاتا ہے۔ چاندنی کی مدھم روشنی میں سبزہ جھلکتا ہے، تاروں کی چھاؤں میں پھول مہکتے ہیں، سبزہ جھومتا ہے، کھیتیاں لہلاتی ہیں اور شاخیں ٹکراتی ہیں تو لگتا جیسے عید مل رہی ہوں۔

شاعر کہتے ہیں صبح کے وقت جب ہر کسی کے جاگنے کا سماں ہوتا ہیں۔ ایک تازہ ماحول ہوتا۔ ہر طرف پر رونق ماحول ہوتا ہے۔ ایسے میں پھول اور کلیاں ماحول کو اور خوشگوار بناتی ہیں۔ صبح کے وقت کلیوں کا چٹکنا منظر کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔ پھول کھلتے ہیں تو اپنی خوشبو اور مہک سے سارے ماحول کو خوشگوار اور تر و تازہ بنا دیتے ہیں۔

بقول شاعر:

؎ وہ جھومنا درختوں کا، وہ پھولوں کی مہک
ہر برگِ گل پہ شبنم کے قطروں کی وہ جھلک

صبح کے وقت جب اندھیرا جا رہا ہوتا ہے اور روشنی آ رہی ہوتی تو چاند اب بھی کہیں ہلکا سا چمکتا نظر آ رہا ہوتا۔ اپنی دھیمی سے چاندنی

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 2/4) کی پیاس بجھاتا ہے اور ماحول کی خوبصورتی کو اور بڑھاتا ہے۔

بقول شاعر:

ے پیاس بجھا دیتا ہے جو مخلوق خدا کی
ہے وہ شفاف تالاب میں جستجو خدا کی

اسی وقت چاند کے ساتھ کچھ تارے بھی آسمان پر ہلکے ہلکے چمکتے نظر آتے ہیں۔ یہ تارے جانے سے پہلے آسمان پر موتیوں کی طرح چمکتے ہیں اور صبح کے منظر کو پُرنور بنا دیتے ہیں۔ ان تاروں کے سائے میں سبزہ، پھول سب چمکتے نظر آتے ہیں۔ ان پر موجود شبنم کے قطرے موتی کی طرح نظر آتے ہیں۔ یہ سبزے کا رنگ اور نکھار کر سامنے لاتے ہیں اور ایک حسین منظر پیش کرتے ہیں۔

ے چلا ستارۂ سحر
سنا کے صبح کی خبر
زمیں پہ نور آگیا
فلک پہ رنگ آگیا

صبح کے وقت ٹھنڈی ہوائیں ماحول کو تازگی اور روح کو فرحت بخشتی ہیں۔ یہ فرحت بخش ہوائیں ہر کسی کو بھاتی ہیں۔ انھیں ہواؤں میں سبزہ جھومتا نظر آتا ہے اور کلیاں لہلہاتی ہیں۔ یہ سارا منظر بہت ہی دلفریب ہوتا ہے۔ جہاں نظر اٹھاؤ ہریالی جھومتی، لہلہاتی نظر آتی ہے اور ایک جنت کا سا سماں لگتا ہے۔

[illegible]

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 3/4) آخر میں شاعر کہتے ہیں اس نسیم بادِ صبح میں جب درختوں کی شاخیں جھومتی ہیں تو آپس میں ٹکراتی بھی ہیں۔ ان کے ٹکرانے پہ عید کا گمان ہوتا ہے کہ جیسے عید کے دن ہر کوئی گلے مل کر ایک دوسرے کو مبارک باد دیتا ہے اسی طرح یہ شاخیں بھی آپس میں ٹکراتی ہیں تو لگتا ہے جیسے گلے مل رہی ہوں اور ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد دے رہی ہوں۔

گلے ملتی ہوئی یہ جھومتی شاخیں
ہیں نغمہ زن کہ آج عیدِ سحر ہے۔

سوال نمبر 4 (صفہ نمبر 4/4)

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 1/6) (الف)

شعر 1:

تشریح:

یہ شعر احمد ندیم قاسمی کی غزل سے لیا گیا ہے۔
اس غزل میں انھوں نے بڑے آسان اور خوبصورت الفاظ کے ذریعے
اپنا خیال پیش کیا ہے۔
شاعر کا کہنا کہ یہ کون کہتا ہے کہ موت کے آنے پہ مر جاؤں گا، میں تو
دریا کی طرح ہوں جو سمندر سے جا ملوں گا۔
اس شعر میں شاعر صوفیا کا جزوکل کا فلسفہ بیان کرتے ہیں۔
وہ کہتے ہیں کہ موت آنے پر میں فنا نہیں ہوں گا بلکہ میں تو دریا
کی مانند ہوں جو سمندر میں جا اترے گا۔ دراصل مرنے کے بعد ہم
فنا نہیں۔ ہم جب پیدا ہوئے تو اپنے کُل یعنی اس معبودِ برحق، اللہ
سے جدا ہو گئے۔ مرنے کے بعد ہم فنا نہیں ہوں گے بلکہ ہماری روح
باقی رہے گی اور وہ اپنے کل سے جا ملے گی یعنی اللہ کے پاس چلی جائے گی اور
یوں ہماری نئے سفر کا آغاز ہو گا۔
ایک شاعر جبر بھی اس فلسفے کو یوں بیان کرتے ہیں۔

؎ موت آیا کہ دوست کا پیغام آ گیا

ہر شاعر نے اپنے انداز میں موت کے فلسفے کو بیان کیا ہے۔ موت برحق
ہے اور ہر ایک کو آ کر رہنی ہے۔
قرآن میں ہے:

"ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔"

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 2/6)

ے موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے۔

موت ایک حقیقت ہے لیکن مسلمان کے لیے موت آخر نہیں بلکہ اس کی حقیقی زندگی کا آغاز ہے۔ میر کہتے ہیں:

ے موت اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

احمد ندیم بھی اس شعر میں یہی بیان کرتے ہیں کہ موت سے ان کی زندگی کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا بلکہ وہیں تو اصل زندگی شروع ہوگی۔ جب ہم اپنے کل سے جا ملیں گے وہی حقیقی زندگی کا آغاز ہوگا۔ جیسے دریا سمندر میں جا گرتا ہے اسی طرح ہم بھی اس عارضی زندگی سے ابدی زندگی کی طرف چلے جائیں گے۔

ے زندگی ایک حادثہ ہے اور کیسا حادثہ
موت سے بھی ختم جس کا سلسلہ ہوتا نہیں

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 3/6) **شعر 2:**

تشریح: میں تیرا در چھوڑ کر کدھر جاؤں گا یا تو گھر میں بند ہو جاؤں گا یا صحرا میں نکل جاؤں گا۔

؎ بات یہ ہے سکونِ دلِ وحشی کا مقام
کنجِ زنداں بھی نہیں وسعتِ صحرا بھی نہیں

اس شعر کو حقیقی و مجازی دونوں پہلوؤں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ مجازی معنوں میں دیکھیں تو اردو شاعری کی روایت ہے کہ عاشق ہمیشہ محبوب کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب رہتا ہے اور بار بار اس کے در پہ جاتا ہے کہ شاید محبوب نظرِ کرم کر دے۔

؎ بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

لیکن روایتی محبوب عاشق کے جذبات کی قدر نہیں کرتا، اس پر ظلم و ستم کرتا ہے ایسے بے رخی برتتا ہے۔ وہ عاشق کو اپنے آس پاس بھی نہیں دیکھنا چاہتا، ملاقات یا بات کرنا تو دور کی بات ہے۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے محبوب کو اپنے سے دور کرے۔

؎ بہت آرزو تھی گلی کی تیری

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 4/6) محبوب کی بے رخی عاشق کو بہت غمزدہ اور دکھی
کرتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں تیرا در چھوڑ دوں گا تو
دیوانہ ہو جاؤں گا۔ میرا دیوانہ پن دیکھ کر یا تو میرے احباب مجھے
گھر میں قید کر لیں گے یا میں صحراؤں میں مارا مارا پھروں گا۔

؎ کبھی عرش پر کبھی فرش پر کبھی اس کے در کبھی در بدر
غمِ عاشقی تیرا شکریہ میں کہاں کہاں سے گزر گیا

مجازی معنوں میں دیکھیں تو اللہ کا در وہ در ہے کہ جہاں جھکنے سے
ہمارے دل کو بہت اطمینان و سکون ملتا ہے۔ یہی وہ در ہے جو ہماری
مدد کرتا۔ ہر مشکل وقت میں ہم اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو
سکون اس کے سامنے سجدہ ریز ہونے میں وہ کہیں نہیں۔

؎ یہ اک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

جو اللہ کا در چھوڑ جائے پھر کہیں سکون نہیں پاتا۔ اسے کہیں ٹھکانہ
نہیں ملتا۔ وہی ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔

؎ سنبھلنے کون دے پھر اسے
جو تیرے آستاں سے اٹھتا ہے

متعلقہ سوال کا جواب صرف مختص کردہ جگہ پر اور بیرونی نشان کے اندر دیا جائے۔

22447494

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 5/6) **شعر 3:**

تشریح:

میں تیرے پاس سے اٹھ کر جہاں جاؤں گا مجھے صرف تو ہی ہر جگہ نظر آئے گا۔

شاعر محبوب سے مخاطب ہیں کہ تم مجھے اپنے پاس سے جانے کا کہتے ہو، تمہیں کیا معلوم یہ میرے لیے کتنا مشکل ہے کیونکہ تیرے پاس سے جانے کے بعد میں جہاں جہاں جاؤں گا تم ہی میری آنکھوں کے سامنے آؤ گے۔

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

~~شاعر کہتے~~ اردو شاعری کی روایت ہے کہ محبوب ہی عاشق کی سوچ اور تمنا کا مرکز ہوتا۔ اس کی یاد اسے بے چین و بے قرار رکھتی ہے۔ وہ ہر لمحہ اسے اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہے اور اگر وہ سامنے نہ ہو تو وہ ہر سو اسی کو محسوس کرتا ہے، اسی کو دیکھتا ہے۔ محبوب ~~ہی~~ اس کی آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوتا۔

گرچہ یار چھپتا ہے نہ چھپنے کا مسرت
خاک میں اب تو نہیں مل کے دکھانا ہے مجھے

چاہے محبوب کتنے ہی ظلم و ستم کرلے عاشق کبھی محبوب کو اپنے دل سے نہیں نکال پاتا۔ وہ ہمیشہ محبوب کو اپنے پاس ہی تصور کرتا ہے۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 6/6) روایتی شاعری میں محبوب عاشق کو ہر طرح سے آزماتا
ہے تاکہ اس کے جذبۂ عشق کی صداقت جان سکے۔ کبھی اس سے بے رخی
برتی کر، کبھی اسے اپنے در سے اٹھا کر، کبھی رقیب سے بات کرکے تاکہ اس کا
جذبہ اس کی لگن دیکھ سکے۔ عاشق ہمیشہ اس امتحان میں کامیاب
ہوتا ہے اور ہر ظلم و ستم برداشت کرکے بھی عشق کی لو میں کمی نہیں ہونے
دیتا بلکہ اس کی محبت اور بڑھ جاتی ہے۔

ہے یہ محبت میں توحید کے قائل ہے فراض
ایک ہی شخص کو محبوب بنائے رکھنا

مجازی معنوں میں دیکھیں تو اللہ کا جلوہ کائنات میں ہر جگہ موجود
ہے۔ ہر شے میں اس کی جھلک ہے۔ جب اللہ کے در سے اٹھیں گے اور ادھر
ادھر دیکھیں گے تب بھی ہر جگہ وہی نظر آئے گا کیونکہ وہی ہے جس نے
کائنات کی ہر چیز کو بنایا۔ وہ ہر شے کا خالق ہے۔

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 1/3)

درخت کی آپ بیتی

اسے شاعری نہ جانو یہ ہے میری آپ بیتی
ہم نے لکھ دیا ہے دل کا سبھی حال چلتے "چلتے"

یقین مانو آج میں جس حال میں ہوں ہمیشہ سے میں ایسا نہیں تھا - آج میری حالتِ زار دیکھ کر لوگوں کی آنکھ بھر آتی ہے، لیکن اس حال تک پہنچنے سے پہلے میری زندگی بہت حسین تھی، سب میری قسمت پر رشک کرتے تھے۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ امریکہ کے صدر پاکستان کے دورے پر آئے تھے۔ اس وقت ہماری حکومت نے ملک میں شجر کاری کی مہم شروع کی تھی۔ ماحول کو تروتازہ اور پاکیزہ کرنے کے لیے یہ ضروری تھا۔ لوگوں نے بڑھ چڑھ کر اس مہم میں حصہ لیا۔ جب امریکی صدر آئے تو ~~اکھٹے~~ وہ بھی اس مہم میں اپنا حصہ ڈالنے سے پیچھے نہ ہٹے۔ اسلام آباد جیسے حسین شہر کے ایک خوبصورت سے باغ میں انھوں نے میری زندگی کا آغاز کرایا۔ میں سیب کا درخت ہوں - امریکی صدر نے میرا چھوٹا سا پودا لگایا اور پہلی دفع مجھے پانی دیا۔ کھلی فضا میں سانس لے کر مجھے بہت اچھا لگا۔ بڑے بڑے لیڈروں نے امریکی صدر کے ساتھ اور میرے ساتھ تصویر بازی کی اور اس کے بعد میرے سامنے ایک تختی لگادی گئی جس پر امریکی صدر کا نام درج تھا۔

حکومت کی طرف سے ایک مالی بابا کی ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ میری دیکھ بھال کرے سو وہ روز آکر مجھے پانی دیتا، کھاد دیتا تھا۔

سوال نمبر6 (صفحہ نمبر 2/3) فرض سے کوتاہی نہیں کی۔ بس اسی طرح وقت گزرتا گیا اور
وہ میرا خیال رکھتا رہتا۔ یوں آہستہ آہستہ میں ایک بڑے گھنے
درخت کی شکل اختیار کر گیا۔ مالی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا بالکل
ویسے ہی جیسے باپ اپنی اولاد کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، ظاہر ہے اتنا وقت
گزرا تھا اس کے ساتھ، کچھ مانوسیت تو ہونی تھی۔

جب میں نے ایک مکمل درخت کی شکل اختیار کر لی تو ہمارے
صدر نے آکر مجھے شرف ملاقات بخشا اور میرے ساتھ تصویریں بھی کھچوائیں۔ میرے
اردگرد کے درخت یہ دیکھ کر بہت کڑھے اور مجھے اپنی قسمت پر بہت ناز ہوا۔
میں نے اللہ کا شکر کیا جس نے مجھے اتنی عزت بخشی۔

اب مجھے پورے شہر سے ہر قسم کے لوگ دیکھنے آتے میرے ساتھ تصویریں
کھچواتے۔ لوگ میرے گھنے سائے سے فائدہ اٹھاتے، میرے نیچے بیٹھ کر پکنک
مناتے، خوش گپیاں کرتے۔ لوگ میرے درخت سے سیب توڑ کر کھاتے
اور تعریف کرتے کہ کس قدر میٹھے اور رسیلے سیب ہیں۔ میں دوسروں
کو خوش دیکھ کر بہت خوش ہوتی۔

اس پورے عرصے میں میرا مالی اب بھی میری دیکھ بھال کرتا، میری
خیریت معلوم کرنے کو چکر لگاتا، ~~مجھے پانی~~ زمین سوکھی یا گرمی
تیز ہوتی تو مجھے پانی دیتا۔ وہ جانتا تھا کہ میرا خیال رکھنے سے انسانوں
کا ہی فائدہ ہے۔ میری موجودگی سے ماحول تازہ ہوتا ہے۔ آلودگی ختم
کرنے میں میں بہت فائدہ مند ہوں۔ لوگوں کو کھل کر سانس لینے کے لیے
آکسیجن فراہم کرتا ہوں۔ ~~مجھ~~ میرے سائے میں لوگ گرمی کی تپش سے پناہ
لیتے ہیں اور پھل انھیں غذائیت دیتے ہیں۔ مجھے بھی لوگوں کے کام آکر اچھا
لگتا ہے کیونکہ

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 3/3) بہت عرصہ ایسی زندگی گزاری لیکن وقت کے ساتھ میری اہمیت کم ہوگئی۔ لوگوں نے مجھے دیکھنے کے لیے آنا چھوڑ دیا۔ جو مالی میرا خیال رکھتا تھا اس کا انتقال ہوگیا۔ ظاہر ہے میں بھی بوڑھا ہوتا چلا جارہا تھا میرے پتے مرجھانے لگے۔ میری ساتھ لگی تختی کو تو بچوں نے کھیل کود میں تباہ کردیا لہٰذا میری اہمیت بالکل ہی ختم ہوگئی۔ ایسے میں میرا کیا ہی ہونا تھا، ایک دن ایک لکڑہارا آیا اور میری لسر کو میرے تن سے جدا کر کے لے گیا۔ اب میرا سر جانے کہاں اور میرا بدن کہاں۔ اب میں ایک لکڑی کی صورت میں بند کمرے میں پڑی اس انتظار میں ہوں کہ کب مجھے یہاں سے کوئی نکالے یا کب مجھے موت آجائے۔ اتنے اچھے حالات دیکھنے کے بعد اب اس بند کمرے میں میرا دل گھبراتا ہے اور میرا دم گھٹتا ہے۔ ماضی کی یادوں نے میرا جینا محال کردیا ہے۔

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے یہ حافظہ میرا

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 1/7)

(الف)

تعمیرِ وطن اور طلباء کا کردار

نوجوان کسی بھی قوم میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ قوم کے معمار ہوتے ہیں۔ جوانی وہ وقت ہے کہ جب اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں عروج پر ہوتی ہیں۔ بچہ لاچار و بےبس ہوتا ہے اور بوڑھا کمزور جبکہ جوانی وہ وقت ہے جب توانائی، عقل و شعور عروج پر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر کوئی چاہے شاعر ہو، مصنف یا لیڈر نوجوانوں سے خطاب کرتے ہیں۔ یہی وہ افراد ہیں جو قوموں کی، وطن کی تقدیر رقم کرتے ہیں۔

> افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
> ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

طلباء ہی کسی قوم کا مستقبل بناتے ہیں۔ یہ ہمارا حال ہیں اور انھوں نے ہی اپنی محنت و کاوش سے وطن کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرنا ہوتا ہے۔ ہمارے آباو اجداد اپنا کام کر چکے۔ اپنی جوانی میں انھوں نے اپنے فرائض ادا کیے، اس ملک کو اپنی خدمات دیں۔ اب یہ ہمارے نوجوان طلباء کا فرض ہے کہ اس کو نکھاریں اور سنواریں کیونکہ انھیں پر اب ملک کی بقا کا انحصار ہے۔

> اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
> ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 2/7) جوانوں کی اعلیٰ خوبیاں صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لیے
اقبال نے شاہین کا تصور دیا تھا۔ شاہین ایک تیز رفتار، تیز نگاہ پرندہ
ہے۔ وہ بلندیوں کی طرف جاتا ہے تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا۔ وہ محلوں
پہ گھر نہیں بناتا بلکہ اس کا ٹھکانہ پہاڑوں کی اونچی چوٹیاں ہیں۔ وہ
انتہائی خوددار ہوتا ہے کبھی کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔ یہی تیز رفتاری،
تیز نگاہی، خود اعتمادی اور خودداری اقبال جوانوں میں دیکھنا چاہتے تھے۔

ع جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

طلباء وطن کی ترقی و تعمیر میں ایک مثبت کردار ادا کر سکتے ہیں
لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی
جائے۔ اس لحاظ سے اساتذہ اور والدین پر بہت بھاری ذمہ داری
عائد ہوتی ہے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ طلباء کے اندر وطن کی محبت کو ابھاریں
ان کو بتائیں کہ ان کی بقاء اور بقائے وطن سے وابستہ ہے اور اگر یہ ہے تو
ہم ہیں ورنہ نہیں۔ صحیح راستہ دکھانے والا کوئی ہو تو منزل پانا آسان ہو جاتا
ہے۔

ع اے جذبۂ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کے لیے دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 3/7) اس کے علاوہ ضروری ہے کہ طلباء کو ایک پرسکون ماحول مہیا کیا جائے جہاں کیوں انتشار نہ ہو کیونکہ اگر طلباء کا ذہن انتشار اور بے سکونی کا شکار ہوگا تو وہ اپنی صلاحیتوں کو صحیح سے بروئے کار نہیں لاسکیں گے اور اپنی تعلیم پر توجہ نہیں دے سکیں گے۔ نتیجہ یہ کہ وطن ان کی خدمات سے محروم رہ جائے گا جبکہ ہمارے وطن کو ان کی، ان کی طاقت کی، ان کی محنت کی سخت ضرورت ہے۔ ضروری ہے کہ طلباء وطن کی پکار پر لبیک کہیں اور اس کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔

اے وطن تو نے پکارا تو لہو کھول اٹھا
تیرے بیٹے تیرے جانباز چلے آتے ہیں

طلباء کا فرض ہے کہ وہ اول سے ہی اپنی تعلیم پر توجہ دیں۔ اپنی زندگی میں ایک مقصد، ایک نصب العین کا تعین کرلیں اور اس کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی محنت و کوشش جاری رکھیں۔ اس عمر میں ان پر ایک ہی ذمہ داری ہے وہ ہے ایمانداری اور لگن سے پڑھنا اور ان کو یہ فرض بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دینا چاہیئے کیونکہ جب وہ اپنی تعلیم پر توجہ دیں گے، تب ہی پڑھ لکھ کر کچھ بنیں گے۔ بڑے افسر بنیں گے۔ بڑی پوسٹ حاصل کریں گے۔ یہی ہمارے مستقبل کے ڈاکٹر، انجینیر، پائلٹ، فوجی وغیرہ ہیں اور ان کی کوششوں اور محنت پر ہی ملک کی ترقی کا انحصار ہے۔

؎ وطن کی مرگ و زیست کا تمہیں پہ انحصار ہے۔

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 4/7) طلباء کو ہر وقت اپنے وطن کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ انھیں چاہیے اپنا تن من دھن سب اس پر وار دیں۔ اس کے لیے ہر چیز کو داؤ پر لگا دیں۔ وطن جان بھی مانگیں تو جان دینے سے دریغ نہ کریں کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ وطن ہے تو ہم ہیں ورنہ ہماری کوئی پہچان نہیں اس لیے اس کی حفاظت و بقاء کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

اے میرے وطن یہ عقیدت اور پیار تجھ پہ نثار کر دوں
یہ ایک جاں کیا ہزار ہوں تو ہزار تجھ پہ نثار کر دوں

طلباء کو چاہیے کہ اپنے آپ کو سیاست سے دور رکھیں کیونکہ یہ ابھی اتنے پختہ نہیں ہوتے کہ سیاست کے کھیلوں کو سمجھ سکیں۔ سیاست دان انھیں اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور یہ کٹھ پتلی کی طرح ان کے ہاتھوں استعمال ہوتے ہیں۔ ان کو ملک کے فائدے سے کوئی غرض نہیں ہوتا، یہ تو بس دولت و طاقت کے نشے میں چور ہوتے ہیں اور طلباء کو اپنے ساتھ ملا کر وطن کو ان کے مثبت کردار سے محروم کر دیتے ہیں۔ طلباء کو چاہیے انھیں پہچانیں اور ان سے دور رہیں۔

طلباء کی چاہے اس وقت تعلیم حاصل کرنے کی عمر ہو لیکن جب ملک پہ کوئی بھی مصیبت آئے یا کوئی بھی دشمن اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے تو انھیں چاہیے کہ سب کچھ چھوڑ کر وطن کے لیے حاضر ہوں اپنی خدمات انجام دیں۔ جن طلباء نے عسکری تربیت حاصل کی ہے وہ دوسری

30

The relevant question should be answered only in the allotted space and inside the outer mark

22447494

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 5/7) یہ بھی یہ ملک کے لیے مثبت ثابت ہوں گیں۔

وہ دین کا ناشر ہے ملت کا نگہبان
ہونٹوں پہ ہے تکبیر تو ساسنوں پہ کفن

آج کے دور میں ایک مسئلہ علاقائی تعصبات بھی ہیں۔ ہمارا وطن بھی اس کا شکار ہے۔ ہر کوئی اپنے علاقے کی نسبت سے جانا جانا چاہتا ہے۔ اس سے وطن کی ترقی متاثر ہوتی ہے اور قوم و ملک میں انتشار پھیلتا ہے۔ طلباء کو ضرورت ہے کہ اپنے اندر سے ان تمام جرائم کو نکالیں۔ اتحاد اور یکجہتی کے سبق کو دھولیں اور ان تمام تعصبات کو پیچھے چھوڑ کر صرف وطن کا سوچیں۔

بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہی کہ طلباء اپنے آپ کو اسلام کے سانچے میں ڈھال لیں۔ اسلامی روایات و اقدار کی پاسداری کریں۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو ابھاریں اور ان کی تعلیمات پر عمل کریں کیونکہ تب ہی اللہ ہم پر کرم کرے گا اور ہمارے ملک کو اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازے گا۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 6/7) یہ وطن ہمارے آباؤ اجداد نے بہت محنت اور بہت سی قربانیوں
کے بعد حاصل کیا۔ ہزاروں لوگوں نے اپنی جانیں دیں، ہزاروں
عصمتیں قربان ہوئیں، ماؤں، بہنوں نے اپنے شوہر اور بیٹے کھوئے،
مال و اسباب لٹا، قتل و غارت ہوئی، تب جا کر ہمیں یہ وطن نصیب
ہوا۔ اب اس کو سنوارنا، نکھارنا، ترقی کی راہوں پر ڈالنا ہمارے
طلباء کا فرض ہے۔ آزادی ایک نعمت ہے، طلباء کو اس کی قدر کرنی چاہیے
اور اس کو محفوظ کرنے کے لیے اپنا سب کچھ دے دینا چاہیے۔

ہم لائے ہیں طوفان سے کشتی نکال کر
اس ملک کو رکھنا میرے بچوں سنبھال کر

آج کا نوجوان، آج کا طالب علم تن آسانی اور عیاشی کا شکار ہو گیا۔
بے عملی اس کی رگوں میں دوڑتی ہے۔ وہ محنت سے جی چراتا ہے، اپنی مدد
آپ کے سنہری اصول کو بھول گیا ہے اور سب سے بڑھ کر اسلام سے دور ہو گیا
ہے۔ وطن کی تعمیر و ترقی کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ طلباء اپنی تعمیر،
اپنی تعلیم و تربیت پر غور کریں، اپنے کردار کو درست کریں، وطن سے
محبت کے جذبے کو ابھاریں اور اسلام کے اصولوں پر عمل پیرا ہوں۔
تب ہی وہ اپنے وطن کے لیے باعثِ تنویر ثابت ہوں گے۔ جب تک ہم اپنے آپ
کو نہیں بدلیں گے کوئی ہمیں نہیں بدل سکتا۔ نہ کوئی بیرونی طاقت نہ ہی خدا
ہماری مدد کرے گا جب تک ہم خود اپنی خودی کو بیدار نہیں کریں گے اور جہد و جہد
مسلسل کو اپنا شعار نہیں بنائیں گے۔

[illegible]

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 7/7)